وحید احمد کی نظم نگاری

Waheed Ahmad’s Poem writing

Madiha Rehman
Mphil Scholar, University of Okara

ABSTRACT

Waheed Ahmed is such a name of the literary world that for his profound social conscious and artistic finesse holds a niche in poetic and literary circles. He harmonized his deep and profound observation, analytic conscious, and perspective with Modernism. Waheed Ahmed has endowed his readers with four poetry collections “Shaffafiyan” , “Hum Aag Churaatay Hain” , “Nazm Naama” and “Pariyaan Utarti Hain” along with two novels “Zino” and “Mundri Wala”. In addition to his personal vows, being a sensitive member of society Waheed Ahmed is found writing on social realities and issues. His greatest subject matter is the Capitalist system, which is a problem of us all. His poems are considered a classic among contemporary poetics for their innate and skilled stylistics that present the reader with a distinct impression. Though he selected Free Verse as his poetic form, he entitled such artistic and stylistic strength to it that despite suffocating and harsh themes its delicate poetic appeal is unharmed. This has been made possible for his apt choice of words, diction, and phrases and for an excellent exploit of Rhetoric and Prosody.

Keywords: معاصر شعری منظر نامہ، سماج، سرمایہ داری، جدید انسان، ڈکشن

وحید احمد معاصر ادبی منظر نامے کے ایک معروف ادیب اور شاعر ہیں۔ انہوں نے نظم گوئی کی دنیا میں ہی نہیں بلکہ ناول نگاری کے میدان میں بھی بہترین اور منفرد اسلوبِ بیان سے اپنی الگ فنی اور فکری شناخت بنائی ہے گو ان کا بنیادی حوالہ نظم گوئی ہی ہے۔ وحید احمد اپنی نظم میں گہرے مشاہدے، بہترین تجزیاتی شعور اور زاویہ فکر کو جدید نظریات کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہیں۔ نوے کی دہائی میں سامنے آنے والی نظم میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ ان کا شمار بہ طور آزاد نظم گو عہد حاضر کے ان چند شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے گردِ وپیش کے حالات وواقعات کو شعری آہنگ عطا کر کے عصرِ

حاضر کے مسائل و موضوعات کو منفرد لب ولہجہ عطا کیا ہے۔ آپ کے چار شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ جن میں "شفافیاں"(1994)، "ہم آگ چراتے ہیں"(2002)، "نظم نامہ"(2012) اور "پریاں اترتی ہیں"(2020) شامل ہیں۔

جدید نظم گوئی کی دنیا میں وحید احمد مجید امجد سے خاصے متاثر ہیں اور اپنے مخصوص طرزِ فکر اور طرزِ بیان ہر دو اعتبار سے مجید امجد ہی کی روایت کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں اور اس پر ناز بھی کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی انہوں نے ایک اچھے تخلیق کار کی طرح اپنی مخصوص پہچان اور ایک منفرد اسلوب بھی تشکیل دیا ہے۔ ان کی ڈکشن اور شعری فضا خود انھی سے مخصوص ہے۔ ان کی تراکیب، جن میں خون ہاتھوں کا گھیراؤ، نیزوں کی جلتی انّی، خاموشی کی چیخ، گانٹھوں بھری بھاری ہتھیلی، بانجھ مٹی، مل مالکوں کے آہنی بچے، شعلہ بار جھونکے، پستول، فوجی، سپاہی، چٹختی ایڑیوں پر کڑکڑاتی ہڈیاں، شکنجہ، پنجرہ، سیاہ زبانیں، جلتے آتش دان، جلتے بھڑکاؤ، سلگتے قہقہے، جلتی کشتیوں کا شور وغیرہ اپنے دور کی گھٹن زدہ فضا، عام انسان کے ذہن پر چھائی وحشت، خوف، بے بسی، اداسی اور دہشت گردی کے تمام رنگوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ یہ تراکیب ان کی شعری فضا میں موجود مارشل لائی گھٹن، خوف اور دہشت کے عناصر کو شدت سے بیان کرتے ہوئے وحید احمد کی اپنی مخصوص شعری فضا کی تشکیل میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔

وحید احمد کی نظمیں موضوع کے اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے یہاں ہر موضوع میں بڑا تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ ہر موضوع انسان کی زندگی کے بہت قریب ہے۔ ان کے یہاں ضیاء الحق کے دور کی مارشل لائی گھٹن، اتحادیوں کے پے در پے حملے، طبقاتی فرق، خاندانی رشتے، احساس تنہائی، سیلاب تباہ کاریاں، روحانی مسائل، معیشت، منافقت، دھوکہ، خیر و شر، وجدان، ماضی پرستی، ہجر و فراق، ماں باپ سے احترام و محبت کا رشتہ، استحصالی (سرمایہ دارانہ) نظام، نائن الیون، سانحہ پشاور، حکومت و دہشت گردی، غربت و افلاس جیسے دیگر سماجی موضوعات شامل ہیں۔ ان کی شاعری حُسنِ فکر اور حُسنِ بیان کی بہترین عکاس ہونے کے ساتھ دورِ جدید کے تمام تر ادبی تقاضوں پر پورا اترتی ہے۔

وحید احمد نے اپنی پہلی باقاعدہ نظم "کھلونے"(1) تحریر کی جو مارشل لا نظام پر طنز ہی نہیں بلکہ ضیاء الحق کے دور کی سچی تصویر بھی ہے۔ گو نظم تیسری دنیا کے لوگوں کے نام ہے جس سے مراد غربا ہیں (جو مارشل لائی دور میں کھلونے سے زیادہ کچھ نہیں تھے)۔ شاعر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ کھلونے جن سے ہم بچپن میں کھیلے تھے، آج وہی ہم پر حکومت کر رہے ہیں اور ہمیں اپنے اشاروں پر نچا رہے ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

وہ نازک مجسمے

وہ رنگین گڑیائیں

طیّارے، پستول

فوجی، سپاہی

کبھی جو ہمارے اشاروں کے محتاج تھے

آفریں تجھ پہ، معیارِ گردش!

کہ اب وہ کھلونے

ہمیں چابیاں بھر رہے ہیں[۱]

نظم "کھلونے" ضیاء الحق کے اسلامی شرعی نظام پر طنز و تنقید بھی ہے یعنی کسی پر زور زبردستی سے اسلامی عقائد کو مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور میں اگر کوئی فوجی حکومت کے پاس جا کر ان کے کان بھر دے کہ فلاں نے آپ کے خلاف بولا اور آپ کی حکومت کو برا بھلا کہا تو ان کے گھروں میں گھس کر گردنیں اڑا دی جاتیں۔ یہ ضیاء الحق عہد کی آمرانہ مارشل لائی حکومت کی خصوصیت ہے۔ اس دور میں کوئی اپنی مرضی سے کھل کر سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کوئی بھی دشمن اپنی دشمنی کی خاطر ان کی گردن حکومت کے ذریعے اڑا سکتا تھا۔ شاعر نے خود کو پتھر کی مورتیں کہا ہے جنھیں چاہو تو پوچ لو، چاہو تو طمانچے جڑو، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وحید احمد کی مخصوص شعری فضا صرف خارجی حقائق و واقعات پر ہی بنیاد نہیں رکھتی بلکہ ان کے اپنے ذاتی دکھ کا اظہار بھی ایک دکھی اور اداسی بھری فضا کی تخلیق کا موجب ہے۔

وحید احمد کی شاعری کا موضوع سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ معاصر عہد کا بڑا سوال ہے۔ شاعر نے شاہی انداز و اطوار رکھنے والے لوگوں کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا ہے جب کہ تیسری دنیا کے غریب لوگوں سے ہمدردی اور اپنائیت کے رشتے کو نبھاتے ہیں۔ ان کے نزدیک شکست خوردہ عوام بھی صاحب اقتدار لوگوں کی کٹھ پتلیاں ہیں اور ان کے ظالم آقا انہیں اپنی مرضی سے چلا رہے ہیں۔ ان کا استحصال کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور غربت و مالی مسائل کا شکار لوگ روبوٹ کی طرح ان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں جس کا شاعر کو بہت افسوس ہے۔ بعض اوقات شاعر ملکی حالات پر مایوسی و بے بسی کا بھی اظہار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ خوشی ہم اور ہمارے ملک سے روٹھ چکی ہے، اس سے اب ہمارا رشتہ سوتیلوں جیسا ہے، ہماری تکلیف اس لئے کم نہیں ہوتی کہ ہمارے حکمران مقامی وسائل سے استفادہ کرنے کی بجائے بیرون ملک سے قرضے پہ قرضہ لے رہے ہیں۔ عوام غربت کی چکی میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔ وحید احمد نے معاشرے میں ہوتے ظلم و ستم کے خلاف انتہائی دبنگ لہجے میں احتجاج کیا ہے۔ ان کے لیے ناقابل برداشت ہے کہ ان کے سامنے کمزور عوام سسک سسک کر مرے۔ وحید احمد نے اپنے قلم کو مجبور لوگوں کی زبان بنا کر ان کی تکلیف اور احساسات کو صفحہ قرطاس پر اتارا ہے۔ ان کی نظم "قائد اعظم"، "کھلونے"، "مرمت کون کرتا ہے"، "خوشی سوتیلی ہوتی ہے"، "مجھے اب اور نہ سینا" اور "جگ آشوب" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کا یہی دبنگ لہجہ ان کی نظم "جگ آشوب" میں نظر آتا ہے۔ وہ دہائی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

دہائی ہے مرے موسیٰ

شہنشاہِ زمانہ، وقت کی بیٹی فرازِ کوہ پر بے آبرو کرتا ہے

اس کے جسم کو مسمار کرتا ہے

تو شہرِ زندگی، وادی سے منظر دیکھتا ہے

دو ربینیں سب کی گردن میں لٹکتی ہیں

یہاں عدسوں کی آنکھوں میں تو

اس کوہِ ہوس کی سب شبیہیں جم گئی ہیں۔

لوگ لیکن دم بخود، چپ چاپ، اک تصویر کی صورت کھڑے ہیں بولتا کوئی نہیں

جامِ خجالت پی کے چپ ہیں۔[۲]

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ وحید احمد کے نزدیک ہمارے معاشرے کا نظام استحصالی نظام ہے۔ وہ خاص طور پر معیشت کے حوالے سے بہت زیادہ مایوسی کا شکار ہیں۔ آڈٹ اینڈ اکاونٹس کے شعبے سے منسلک رہنے کے باعث انہیں یہ احساس ہے کہ معاشی استحصال اس ملک اور قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔ لہٰذا معاشرے کی بقا کے لیے وہ مضبوط معیشت کو وسیع بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔

وحید احمد کے یہاں ایک موضوع سماج اور سماجی مسائل ہیں۔ جدید شعرا کے یہاں سماجی مسائل بنیادی موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وحید احمد نے بھی سماجی برائیوں اور اس کے مضمرات کو موضوعِ سُخن بنایا ہے۔ اُن کا سماجی پس منظر بہت تلخ اور وحشت ناک ہے، انہوں نے دھماکوں سے کٹے پھٹے لاشے، اتحادیوں کے پھینکے آتشیں گولوں سے جلتے شام و عراق، نائن الیون کے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتے پاکستانی اور افغانستانی عوام کی بے بسی، لال مسجد سے ٹپکتا لہو، ہوس، تعصب اور حسد کی بھینٹ چڑھتے رشتوں کی چیتاؤں کو کندھا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سماجی تلخیوں، وحشتوں اور نحوستوں سے اٹی تعفن زدہ فضا تشکیل پاتی ہے۔ ان کو بہ خوبی احساس ہے کہ مذہبی تعصبات، فرقہ پرستی، قومی اور صوبائی عصبیت و تنگ نظری اور عدم برداشت نے پاکستان کو عالمی سطح پر بالکل تنہا اور بے یار و مددگار بنا دیا ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ انتہا پذیری خالصتاً ہماری مذہبی، فکری اور اخلاقی اقدار کا انحطاط ہے، یہی وہ احساس ہے جس کو وہ اپنے شعر کا موضوع بناتے اور اپنے سماجی شعور کا بہترین اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

وحید احمد کا یہ سماجی شعور ان کی نظم "جگ آشوب"، "ابوالہول"، "مویشی"، "کسان کی بیٹی"، "افسر شاہانہ"، "کھلونے"، "مرمت کون کرتا ہے"، "بنیاد ٹیڑھی ہے"، "صلیبی جنگ جاری ہے"، "قائدِ اعظم"، "دشنام جگالی"، "ذخیرہ اندوز" اور "شِکرہ اڑتا رہتا ہے" جیسی بہت سی نظموں میں دیکھنے کو ملتا ہے، جیسا کہ نظم "صلیبی جنگ جاری ہے" میں وہ اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ ہم آج بھی عالمی سطح پر حالتِ جنگ میں ہیں۔ تیسری دنیا کے عوام کس طرح سے معاشی اور معاشرتی استحصال کا شکار ہیں۔ استعماری طاقتوں نے تیسری دنیا کے خلاف محاذ آرائی قائم کر رکھی ہے۔ ایسے ہی وہ اپنی نظم "دشنام جگالی" میں معاشرے کو بداخلاقی کی ضرب لگاتے ہیں۔ نظم درج ذیل ہے:

لوک راج ہے گالی گلوچ کی کھیتی
آدمی جتنا چاہے، اتنا چر لے
کھرلی بھر لے اور پھر جب بھی چاہے
بیٹھے اور دشنام جگالی کر لے[۳]

وحید احمد کی نظموں میں موجود گرد و پیش کی سماجی و سیاسی تلخ نوائیاں جہاں شاعر کے حساس ہونے کی دلیل ہیں وہیں ہمارے معاشرے کی زبوں حالی اور ابتری کی مثال بھی ہیں۔ وہ معاشرے کے پستے ہوئے غریب طبقے سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں ان کے بہتر حالات کی خواہش مند بھی ہیں۔ وہ ملکی سیاست دانوں کے طرزِ عمل سے ناخوش ہیں۔ ان کے مطابق ہمارے ملک کے حالات اپنا ملک ہونے کے باوجود بے وطنی اور بے خانمائی کا احساس کرواتے ہیں۔ ہمارے ملک کا ہر بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے گلے میں قرض کا طوق پہن لیتا ہے۔ وہ اپنی نظم "مرمت کون کرتا ہے" میں لکھتے ہیں:

مختصر یوں ہے

کہ کوئی ملک دھرتی کے خزانوں میں نہائی کوکھ سے

غربت لیے پیدا نہیں ہوتا

غریب اُس کو وہاں کے لوگ کرتے ہیں

اگر دانش کے دھارے زہر سے لبریز ہو جائیں

تو اُن کی تہہ میں اُجلی مچھلیاں رنگت بدلتی ہیں [۴]

وحید احمد کے سماجی موضوعات میں ایک موضوع دہشت گردی اور جنگ بھی ہے۔ موجودہ عہد میں استعماری قوتوں کا سب سے بڑا ہتھیار دہشت گردی ہے جس قوم یا معاشرے کو کمزور کرنے کا ارادہ ہو وہاں پر ان بھیڑیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسا کہ پاکستان میں نائن الیون کے واقعے کے بعد مغربی دنیا نے بدلے کی آگ میں جلتے ہوئے دہشت گردوں کے انگارے ہماری سرزمین پر پھینکنے شروع کر دیئے۔ وحید احمد اس سماجی مسئلے کا گہرا شعور رکھتے ہیں جس کا اظہار ان کی نظم "سرگوشیاں" میں بہت واضح انداز میں ہوا ہے۔ اس نظم میں وہ ان سیاسی و سماجی حالات اور مجبوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن سے مجبور ہو کر ایک غریب انسان دہشت گرد بن جاتا ہے۔ جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح سے جوان سال غریب لاچار بچے زمانے کی بدلحاظیوں اور بے پرواہیوں کا شکار ہو کر موت کے سوداگروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے خالی پیٹوں پر بارود کی پٹیاں باندھے اور بھرے مجمع میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے کیوں کہ ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ ان کے ایسا کرنے سے ان کے گھر والے پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں۔ غرض کہ یہ نظم معاشرے کی بے بسی اور بے حسی کا شرمندہ کر دینے والا پہلو عیاں کرتی نظر آتی ہے۔ وحید احمد لکھتے ہیں:

ہر اک خودکش

سماجی بے حسی کے گال پر اندھا تمانچہ ہے

سنا ہے لوگ اپنے سرخ رخساروں کی سرخی

دیکھنے سے ہچکچاتے ہیں

جبھی تو آئنہ سازی کی صنعت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

شعور ایک جنس ہے، کمیاب ہے

آنے سے آتا ہے۔

یہ پھٹی لاش کا تھپڑ ہے

رخساروں پہ پکی پنج شاخہ مہر ہے

جس کا نشاں

جانے سے جاتا ہے۔ [۵]

ہمارے معاشرے کا ایک بڑا مرض مادیت پرستی ہے۔ وحید احمد نے ایک سماجی ماہر نفسیات ہونے کے ناطے اس مرض کو بہ آسانی دریافت کر لیا ہے اور اسے "طاعون" کا نام دیا ہے۔ ان کی نظم "طاعون" مادیت پرستی کے حوالے سے معاشرے پر ایک گہرا طنز ہے۔ وہ کرنسی کی دنیا میں طاعون کی وبا پھیلنے کا ذکر کر کے استعارتاً لوگوں کے اندر زمین و زر کی ہوس کو طاعون کا مرض قرار دیتے ہیں۔ نظامِ معیشت کو کاٹتا یہ مرض نوٹ کو بے وقت کر دیتا ہے۔ اس مرض کے شکار لوگوں کی خواہش ہے کہ زمین پر صور بھی سونے چاندی کے ہو۔ ان کی خواہشوں نے کرنسی کی ٹریفک کو جام کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ہے۔ خانہ جنگی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ گلی گلی میں لوگ کدالوں سے نقرئی سکوں کے ملبے اُدھیڑ رہے ہیں اور ان کے پھلوں پر آہنی ٹوٹے ہوئے ناخنوں کی خراشیں چھوڑ جاتے ہیں یعنی کہ دولت کی ہوس میں غریب لوگوں کے زخم چیر کر رکھ دیتے ہیں۔ ان کے ملگجی چہروں پر ان کے ہوس بھرے ناخنوں کی خراشیں ٹھہر جاتی ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

ہر طرف غسّال اور لٹّھا فروشوں کی دکانیں چل رہی ہیں
ایمبولینسوں میں کرنسی کی سیہ لاشیں تعفن دے رہی ہیں
اور ٹریفک جیم ہے۔ [۶]

وحید احمد اپنی شاعری کے ذریعے پاکستانی عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ معاشرے کا ہر فرد جائز و ناجائز طریقے سے دولت کے حصول میں اس طرح پاگل ہو چکا ہے کہ معیشت کی ٹریفک جام ہو چکی ہے اور اتنی دیر سے جام ہے کہ اب اس کے پہیے بھی زنگ آلود ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ مادیت پرستی کی یہ وبا ایک موذی وبا ہے جس سے بآسانی نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہمیں صبر اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔

وحید احمد ایک حساس شعور کے حامل انسان ہیں۔ ان کے جذبات بہت نازک اور کومل ہیں اس لیے ان کی نظموں میں رومانویت اور حسن و عشق سے متعلقہ جذبات کا عکس بھی ملتا ہے۔ وہ تخلیقی و تخیلی انداز میں ایک افسانوی دنیا میں داخل ہوتے ہوئے اس سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں یہ لطیف جذبات کہیں خوبصورت خواب کی مانند، بازارِ حُسن کے جھروکوں سے جھانکتی حسیناؤں، موسیقی کی جھنکار، نیل جھیل میں کھیلتے لمس اور دریا کے کنارے ریتلی زمین پر ڈوبتے سورج کا منظر شاعر کے نازک احساسات کی خوبصورت ترجمانی کے عکاس ہیں۔ حسن و عشق کے حوالے سے وحید احمد کے یہاں زیادہ تر ہجر و فراق کے موضوعات ملتے ہیں جیسا کہ "وہ مٹی ہو گئی ہے" میں وہ اپنی محبوبہ کے ہجر فراق کی تڑپ بیان کرتے ہوئے اس کی یادوں سے جان چھڑانے کی جنگ لڑتے نظر آتے ہیں یہاں تک کہ وہ لحاف جس سے ان کی محبوبہ کی یادیں وابستہ ہیں، اس کو بھی صدقہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ کسی بہانے یا کسی طریقے اس کی یادوں سے جان چھوٹ سکے وہ اپنی نظم "وہ شام" کے منظر کو نظم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمھیں کیا یاد ہے وہ شام
جب اُترتے ہوئے دریا میں ہم نے
پَیر اُتارے تھے
مجھے تو یاد ہے
بحرِ اُفق پر تیرتے سُورج کے سفینے کا

فقط مستول باقی تھا
ہم اپنا آدھا آدھا جسم
دریا بُرد کر کے
بیچ پانی رُک گئے تھے [۷]

شاعر نے اپنی دیگر نظموں میں ہجر و فراق اور ماضی کی یادوں کے ذریعے اپنی روٹھی محبت کا مضمون باندھا ہے۔ وحید احمد نے محبوب کی سراپا نگاری بھی کی ہے جس کی خوبصورت مثال نظم "کولاژ" ہے۔ اس نظم کے ذریعے شاعر نے محبوب کے مختلف و دلکش ناز و ادا کی تصویر کشی کی ہے۔

وحید احمد کی نظموں میں ان کی اپنی ذات کی مرکزیت کا عنصر بھی ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے تمام شعری مجموعوں میں جابجا صیغہ واحد متکلم کے ذریعے اپنی مرکزیت و اہمیت کو جتایا ہے۔ کبھی خود کلامی کے انداز میں تو کبھی اندازِ تعلّی کے ذریعے وہ اپنی ذات کو منوانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی خود مرکزیت کی سب سے بڑی اور اعلیٰ مثال ان کی نظم ''خانہ بدوش'' ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے آپ کو خانہ بدوش کے روپ میں اتنا مضبوط پیش کیا ہے کہ کوئی بادشاہ بھی اس خانہ بدوش سے حسد رکھے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ وحید احمد خانہ بدوش قبیلوں کی سدا سفری حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اونٹوں کے کجاوے کو اپنا جھولا، بانگ درا کو اپنی لوری اور چاند سورج کو اپنا کھلونا سمجھتے ہیں۔ وہ چیزیں جن سے انسان ڈرتے ہیں، سر جھکاتے ہیں، ان کی تسخیر پر برسوں صرف کرتے ہیں، خانہ بدوش کے لیے کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ اپنے سانولے حسن اور متجسس آنکھوں پر فخر کرتے ہیں انھیں درد کی صحرا نوردیاں بہت عزیز ہیں۔ وہ معاشرے کے نشیب و فراز سے خوف کھانے کی بجائے انھیں اپنے جوتوں کی نوک پر رکھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

میں سنگ نہیں انسان ہوں ، کیوں گھر تعمیر کروں
جب پاؤں لگے ہیں جسم کو ، تو کیوں نہ چلوں پھروں
جب عجلت میں ہے زندگی ، تو کاہے ڈھیر دھروں
میں کیسے اینٹیں جوڑ دوں ، میں کیوں بنیاد بھروں
اِس دھرتی کی بنیاد پر ، میں جسم اُٹھاتا ہوں
گھر سایہ بن کر ساتھ ہے ، میں جہاں بھی جاتا ہوں [۸]

وحید احمد کا ایک اہم موضوع نیند بھی ہے۔ ان کی شعری فضا جس قدر خوفناک اور بوجھل سی ہے اس کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ وحید احمد نیند کے ذریعے کچھ دیر کے لیے اس فضا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ایسی بوجھل فضا میں آئی نیند بھی انسان کو ڈرا کر ہی رکھ دیتی ہے، وہ بے چینی کی وجہ سے کسمساتا ہی رہتا ہے۔ زندگی میں جیسی خود انسان کی کیفیت ہوگی ویسی ہی اس کی نیند بھی ہوگی۔ اس حقیقت کو بنیاد بنا کر وحید احمد نے "نیند نامہ'' نظم میں نیند کی مختلف کیفیات کو بیان کیا ہے۔ پہلی کیفیت بچوں کی نیند سے متعلق ہے کہ وہ کس قدر بے فکری کی نیند سوتے ہیں۔ سارا دن رنگین باتوں، نت نئے بچوں کے رنگا رنگ پھول، تیوروں کے سرمئی لہراتے پر، قہقہوں کے ٹوٹتے چمکدار اور روشن شہاب، سرزنش کے

زرد چبھتے خار و خس، سر سراتے نازک و مانوس لمس، گدگداتی اور اچھلتی چٹکیاں اور اٹھکیلیاں اکٹھے کرتے ہیں، بستر پر لیٹتے ہی نیند کی گہری وادی میں اتر جاتے ہیں جہاں خوابوں کی پریاں ان کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ پُر سکون نیند لیتے چہروں پر مسکراہٹ لیے ان بچوں کی نیند قدرت کا سب سے انمول تحفہ ہے اور یہ سب سے خوبصورت نیند ہے۔ انھوں نے مزدور کی نیند کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ بھی ننگی زمین پر کھلے آسمان تلے سو جاتے ہیں اور منہ اندھیرے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں گو کہ ان کی نیند بے فکری کی نیند نہیں ہوتی مگر پھر بھی تھکے ہارے سوتے ہیں تو صبح ہی اٹھتے ہیں۔ نہ کسی نرم گرم گدے کی آرزو، نہ مچھر مکھی کا ڈر، البتہ ان کی آنکھوں سے ان کی تھکاوٹ کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ مزدور کی کچی پکی نیند والی تھکاوٹ بھری آنکھوں کی کیا خوبصورت تصویر کشی کی ہے وہ مزدور کی نیند کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شام کو گنتے رہے فٹ پاتھ پر
زرد اجرت کی روپہلی مچھلیاں
اور پھر جب رات کو تھک ہار کر
لیٹ کر دھرتی فلک سے دور کی
نیچے دھرتی آسماں اوپر کھلا
نیند ہے نیندوں میں تو مزدور کی[۹]

بہ حیثیت کلام وحید احمد کی نظمیں وسیع اور متنوع موضوعاتی سلسلے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اُن کا بنیادی سوال عصری دنیا میں جدید انسان کی انفرادی و اجتماعی شناخت کا ہے۔ اُنھوں نے بنی نوعِ انسان سے متعلق لاتعداد موضوعات پر قلم ہی نہیں اُٹھایا بلکہ وہ خاص طور پر فرد اور معاشرے کے سماجی، جذباتی و احساساتی اور مذہبی و معاشی مسائل کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ اُن کی شاعری کا مقصد جدید دنیا میں انسان کے لیے معانی تلاش کرنا ہے۔ وحید احمد نے اپنے گرد و پیش میں ہوتے ظلم و بربریت کے کسی بھی تماشے کو نظر انداز نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں تمام تر معاشرتی و سماجی برائیوں، انسان کی نفسیاتی الجھنوں اور جذباتی احساسات کو نہایت فن کارانہ انداز میں صفحۂ قرطاس پر اُتارا ہے۔ وحید احمد نے نہ صرف عالمی سطح پر انسانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم کا احتجاج کیا بلکہ ہر ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے مظلوم لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا ہے۔

مختصراً وحید احمد اپنے اُسلوب، کردار کی خاکہ نگاری، مکالمے، تمثال، علامتی و اشاراتی، تخیلاتی انداز اور زبان و بیاں جیسی بہترین صلاحیتوں کو لاجواب طریقے سے استعمال کرتے ہوئے دورِ جدید کے سادہ، باوقار، قابلِ فہم اور اندر کے بہادر شاعر کو آشکار کرتے ہیں۔ ان کے فن اور فکر کا مختلف جہات سے مطالعہ اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے

حوالہ جات

1. وحید احمد، شفافیاں (لاہور: دستاویز، اشاعت دوم، ۲۰۱۴ء) ۶۳۔۶۴
2. وحید احمد، نظم نامہ (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء) ص ۸۹۔۹۰
3. وحید احمد، پریاں اترتی ہیں (راولپنڈی: رُمیل ہاوس آف پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء) ص ۸۲
4. وحید احمد، ہم آگ چراتے ہیں (لاہور: دستاویز، اشاعت دوم، ۲۰۱۵ء) ص ۴۸۔۴۹
5. وحید احمد، نظم نامہ، ص ۶۸۔۶۹
6. ایضاً، ۹۴
7. وحید احمد، شفافیاں، ص ۲۶
8. وحید احمد، ہم آگ چراتے ہیں، ص ۹۴
9. وحید احمد، نظم نامہ، ص ۲۶